کیا فرض نماز کے بعد
ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنا فرض ہے؟

حافظ عبدالعلیم علوی بن شیخ التفسیر والحدیث
حافظ احمد اللہ بڈھیمالوی
مدرس جامعہ سلفیہ گوجرانوالہ

زیر نظر مضمون ''فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا'' حافظ عبدالعلیم علوی حفظہ اللہ تعالیٰ بن شیخ التفسیر والحدیث حافظ احمد اللہ بڈھیمالوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے۔ جس پر مقدمہ ان کے بڑے بھائی شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ فیصل آباد حافظ عبدالعزیز علوی حفظہ اللہ نے لکھا ہے اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحمید ہزاروی حفظہ اللہ صدر مدرس جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ نے تقریظ تحریر فرمائی۔ مسئلہ کی وضاحت اور افادہ عام کیلئے اصل مضمون سے پہلے مقدمہ اور تقریظ قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔
نیز اس مضمون کا کچھ حصہ پہلے انہی صفحات پر شائع ہو چکا ہے، لیکن اس کی اہمیت کے پیش نظر افادۂ عام کیلئے مکمل مضمون دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وکفی والصلاۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد :

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **یا ایھا الناس انتم الفقراء الی اللہ واللہ ھو الغنی الحمید** (فاطر:۱۱۵)

اے لوگو تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی غنی بے صفات نیاز ارستودہ صات ہے۔

فقیر اور محتاج کا کام غنی اور بے نیاز کے سامنے عجز و نیاز اور اپنے فقر و احتیاج کا اظہار ہے چونکہ اللہ کے حضور ہاتھ اٹھا کر مانگنے میں اپنے خضوع و تذلل اور اپنی بندگی و محتاجی کا مظاہرہ ہے۔ اور یہی چیز عبادت ہے۔ جو انسان کا مقصد تخلیق ہے۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

لیس شئی اکرم علی اللہ من الدعاء (سنن جامع الترمذی دار السلام: ۷۷۰)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی عمل دعا سے زیادہ عزیز نہیں ہے۔ اور آپ نے فرمایا:

الدعاء ھو العبادۃ (جامع الترمذی: ۷۷۰)

دعاء عین عبادت ھے۔

اور عبادت اللہ کے حضور میں انتہائی تذلل، بندگی اور سرافگندگی، عاجزی ولاچاری اور محتاجی و مسکینی کا پورا پورا اظہار اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ سب کچھ اس کے قبضہ و اختیار میں ہے اس کے در کی فقیری و گدائی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین (سورہ غافر: ٦٠)

تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دعا کرو اور مانگو، میں قبول کروں گا، اور تم کو دوں گا جو لوگ میری بندگی سے متکبرانہ روگردانی کریں گے وہ یقیناً ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

اس ایت سے معلوم ہوا کہ اللہ سے نہ مانگنا اس کی عبادت اور اپنے مقصد تخلیق سے روگردانی اور انحراف کرنا ہے جو انسان کے تکبر اور گھمنڈ کی علامت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی وغضب کا باعث ہے اس لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

من لم یسأل اللہ یغضب علیہ (جامع الترمذی : ۷۷۰)

جو اللہ سے نہ مانگے اس پر اللہ ناراض ہوتا ہے۔

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دعاء کی تعریف یہ کی ہے:

ھو اظھار غایۃ التذلل والافتقار الی اللہ والاستکانہ لہ

اللہ کے حضور انتہائی تذلل یعنی عجز وانکسار اور اس کیلئے فقر و احتیاج، استکانت یعنی عجز و انکساری اور فروتنی کا اظہار ہے۔ فتح الباری ۱۱/۱۱۲:

اور عجز وانکساری کے اظہار کیلئے فعلی عمل کے ہاتھ اٹھانا ہے۔ اس لئے آپ نے فرمایا:

اذا سئالتم اللہ فسئلوہ بباطن اکفکم (سنن ابی داؤد، دارالسلام ۲۲۰)
جب تم اللہ سے مانگو اس سے ہتھیلیوں کے اندرونی حصہ سے مانگو، اور آپ کا اپنا طرز عمل بھی یہی تھا:

کان اذا سئال اللہ جعل باطن کفیہ الیہ :صحیح الجامع الصغیر ۲/ ۸۶۳
آپ ﷺ جب دعا فرماتے تو ہتھیلیوں کا اندرونی حصہ اپنی طرف کر لیتے۔

اور حضرت سلمان فارسی بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **ان ربکم حی کریم یستحی من عبدہ اذا رفع یدیہ ان یردھما صفرا** (سنن ابی داؤد: ۲۲۱) تمہارا رب انتہائی حیاء اور کرم والا ہے۔ جب بندہ اس کے آگے مانگنے کیلئے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اس کو شرم آتی ہے کہ ان کو خالی واپس کردے۔

اس طرح قرآن وسنت سے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا حکم ثابت ہوتا ہے اور اس میں کسی وقت کی تخصیص یا تعیین وتقیید نہیں، بلا قید عام حکم ہے۔ اور عموم سے استدلال ایک عام اصول ہے۔ مثلاً امام بخاری کتاب الوصایا میں ایک طویل ترجمہ الباب قائم کرتے ہیں۔ جس میں یہ ثابت کرتے ہیں کہ مریض اپنے وارث کے حق میں قرض کا اقرار کرسکتا ہے اور اس کیلئے قران وحدیث کے عموم سے استدلال کرتے ہیں اور آخر میں فرماتے ہیں لم یخص وارثا ولا غیرہ اللہ اور رسول نے وارث اور غیر وارث کی تخصیص نہیں کی۔ اس لئے جس طرح غیر وارث کے حق میں قرض کا اقرار معتبر ہے۔ اسی طرح وارث کے حق میں قرض کا اقرار واعتراف معتبر ہوگا ہے۔ اس لئے بعض ائمہ کا یہ موقف درست نہیں ہے کہ مریض کا اپنے وارث کے حق میں قرض کا اقرار واعتراف معتبر نہیں (فتح الباری: ۵/ ۴۵۹)

آگے اسی کتاب میں باب قائم کرتے ہیں
باب ھل ینتفع الواقف بوقفہ :۵/ ۹۶۴)
دلیل میں حضرت عمر کا قول پیش کرتے ہیں:
لا جناح علی من ولیہ ان یاکل منہ
اس کے نگران اور متولی کے اس سے کھانے پر کوئی تنگی اور گناہ نہیں ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔ **قد یلی الواقف وغیرہ۔ وقف کا متولی اور نگران وقف** کرنے والا بھی ہوسکتا ہے۔ اور دوسرا بھی اس لئے واقف پر نفع نہ اٹھانے کی پابندی عائد نہیں کی جا سکتی۔

پھر آگے باب قائم کرتے ہیں کہ باب وقف الدواب الکراع والعروض والصامت :۵/ ۴۹۵)
جاندار، گھوڑے، سازوسامان اور نقدی وقف کرنا، اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کی گھوڑا وقف کرنے کی درخواست کو قبول کر کے گھوڑا سواری کیلئے کسی آدمی کو عنایت فرما دیا تھا۔ گھوڑا چونکہ ایک منقول چیز ہے۔ اور منقول ہونے میں چوپائے، سازوسامان اور نقدی بھی شریک ہیں۔ اس عموم کی بنا پر ان کا وقف کرنا بھی جائز ہے۔ اسی طرح ایک باب قائم کیا ہے۔
باب الوقف للغنی والفقیر والضیف
مالدار فقیر اور مہمان کیلئے کوئی چیز وقف کرنا :۵/ ۷۸۴)
دلیل یہ دی ہے کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے مشورے سے اپنا ثمغ نامی باغ فقراء مساکین، رشتہ داروں اور مہمان کیلئے وقف کردیا تھا۔ اب غنی کیلئے وقف کیسے ثابت ہوگیا۔ اسکی دلیل رشتہ دار کا لفظ ہے کیونکہ وہ عام ہے غنی بھی ہو سکتا ہے اور فقیر بھی۔ یہ مثالیں صرف کتاب الوصایا سے بیان کی ہیں ورگرنہ پوری کتاب اس اسلوب اور طریق استدلال سے بھری ہوئی ہے اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ کا طرز عمل بھی اس کا شاہد ہے۔ کہ عمل کیلئے آپ کے فعل کا موجود ہونا شرط نہیں ہے۔ شریعت کی عمومی دلیل بھی اس کیلئے کافی ہے۔ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں۔ **ان کان رسول اللہ ﷺ یدع العمل وھو یحب ان یعمل بہ خشیۃ ان یعمل بہ الناس فیفرض علیھم، وما سبح رسول اللہ ﷺ سبحۃ الضحی قط وانی لا سبحھا** صحیح بخاری دارالسلام: ۱۸۱

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ ایسا عمل ترک کردیتے تھے جسے آپ کرنا پسند فرماتے تھے اس ڈر سے کہ لوگ بھی وہ عمل کریں گے تو ان پر فرض قرار دے دیا جائے گا رسول اللہ ﷺ نے چاشت کے نفل کبھی نہیں پڑھے اور میں انہیں پڑھتی ہوں۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ابوبکر، عمر سے کبھی چاشت کی نماز نہیں پڑھی اور میں بھی نہیں پڑھتا ص ۱۸۷۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کی تصریح فرمارہی ہیں اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول

سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے۔کہ آپ چاشت کی نماز نہیں پڑھتے تھے۔اور یہ ان کی اپنی معلومات کی حد تک ہے لیکن حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں چاشت کی نماز پڑھتی ہوں۔جس سے معلوم ہوا کہ ایک عمل شریعت سے ثابت ہے تو ضروری نہیں ہے کہ آپ نے بالفعل اس پر عمل کیا ہو۔اور یہاں تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی روایت سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے تھے جیسا کہ آگے اصل مضمون میں آ رہا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دوسری حدیث ہے کہ میں نے ایک سفر میں نماز پوری پڑھی اور آپ نے قصر کی۔میں نے روزے رکھے اور آپ نے نہ رکھے گویا یہ جانتے ہوئے بھی کہ آپ نماز قصر پڑھ رہے ہیں انہوں نے پوری نماز پڑھی اور جانتے ہوئے کہ آپ روزے نہیں رکھ رہے انہوں نے روزے رکھے۔واپسی پر آپ کے سامنے اس کا اظہار کیا تو آپ نے حضرت عائشہ کے اس طرز عمل پر انکار کرنے کی بجائے احسنت کہہ کر اسی طرز عمل کی تصویب اور تحسین فرمائی جب اللہ اور اس کا رسول دعاء کیلئے کسی وقت کی تخصیص اور تعیین نہیں فرماتے۔تو پھر ہمیں اس کی تخصیص اور تحدید کی کیا ضرورت ہے۔علامہ البانی رحمہ اللہ نے دونوں تشہدوں میں درود کے واجب اور لازم کیلئے یہی دلیل دی ہے کہ نماز میں آپ پر درود بھیجنے کی بہت سی روایات آئی ہیں۔اور کسی میں یہ تخصیص نہیں ہے کہ یہ تشہد اول میں ہو یا دوسرے تشہد میں صفة الصلوٰة ص ۱۴۶ حاشیہ نمبر ۱ پھر آخری تشہد کے تحت درود کا نماز میں واجب ہونے کے عنوان کے تحت دلیل دیتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو پہلے اپنے رب عزوجل کی حمد بیان کرے اور اس کی ثناء و تعریف بیان کرے پھر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے پھر جو چاہے دعا کرے صفحہ ۱۶۲، عجیب بات ہے اس حدیث کے ضمن میں حاشیہ نمبر ۶ میں امام آجری کی کتاب الشریعۃ صفحہ ۴۱۵ کے حوالہ سے لکھتے ہیں جس نے آخری تشہد میں نبی اکرم ﷺ پر درود نہیں بھیجا، اس پر نماز دھرانا لازم ہے۔

جس سے یہ صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ امام آجری کے نزدیک اس حدیث کا تعلق آخری تشہد سے ہے لیکن ان کے نزدیک دعائے سوال کیلئے ہاتھ اٹھانے کی عمومی اور نماز کے بعد خصوصی دلیل کے باوجود ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بدعت ہے اور آخری تشہد میں درود پڑھ لینا کافی نہیں ہے۔ جب آخری تشہد میں درود پڑھ لیا گیا اور اس کے بعد دعا پڑھ لی گئی تو آپ کے اس فرمان پر عمل ہو گیا کہ جب تم نماز پڑھو تو پہلے اپنے رب عزوجل کی حمد و ثنا بیان کرو پھر نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجو اور پھر جو دعا چاہو کرو۔اس حدیث سے دونوں تشہدوں میں درود اور دعا کا پڑھنا کیسے ثابت ہو گیا۔کیا امر تکرار پر دلالت کرتا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے اندر انتہاپسندی در آئی ہے اس لئے ہم بعض مسائل میں حد اعتدال سے نکل کر افراط کی حدود میں داخل ہو گئے ہیں تقلید کی مخالفت کرتے کرتے اپنے عوام کے دل سے بڑوں کا احترام و اکرام اور تعظیم و توقیر کا جذبہ ختم کر دیا۔تیجہ، ساتہ اور چالیسواں کی مخالفت کر کے، اپنے عوام کے دل سے اپنے مرنے والے بزرگوں کیلئے صدقہ و خیرات کرنے کا جذبہ سرد کر دیا اور اب نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کو بدعت قرار دے کر لوگوں کو نماز کے بعد وظائف سے محروم کر ڈالا، اور دعا جیسی عظیم نعمت سے محروم کر دیا، اب ہمارے پیروکار کسی وقت انفرادی دعا مانگتے بھی نظر نہیں آتے اس لئے برادرم حافظ عبدالعلیم حفظہ اللہ نے مجبور ہو کر اس مسئلہ پر قلم اٹھایا۔

کیونکہ گوجرانوالہ شہر اس مسئلے کی دنگل گاہ بنا ہوا ہے اور افراط و تفریط سے بچتے ہوئے حد اعتدال کو ملحوظ رکھتے ہوئے دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ فرض اور لازم نہیں ہے کہ ہر نماز کے بعد ضرور دعا کی جائے کسی چیز کی تعیین اور تحدید کیلئے خصوصی دلیل لزوم ضروری ہے اس لئے جس طرح اس کو بدعت کہنا درست نہیں ہے اس کو لازم اور ضروری قرار دینا بھی درست نہیں۔کسی نماز کے ساتھ دعا کر لی جائے اور کسی کے ساتھ دعا نہ کی جائے کیونکہ جب شریعت نے دعا کو نماز کے ساتھ ہی خاص نہیں کیا تو ہمیں بھی اس کو نماز ہی کے ساتھ خاص نہیں کر لینا چاہئے اور لوگوں کو اس بات کی تلقین کی جائے کہ وہ صرف امام کیساتھ دعا کرنے کو لازم نہ سمجھیں اپنے طور پر بھی دعا کر لیا کریں اب یہ نماز سے پہلے ہو یا بعد میں رات کے وقت ہو یا دن کے وقت کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے جو بندہ **یرفع یدیہ حتی یبدوا بطہ یسئل اللہ مسئلۃ آتاہ ایاہ** اپنے ہاتھ اٹھاتا ہے یہاں تک کہ اس کی بغل ظاہر ہو جاتی ہے وہ اللہ سے جو مانگتا ہے اللہ اسے عنایت فرماتا ہے بشرطیکہ عجلت بازی

سے کام نہ لے (سنن الترمذی: ۸۲۱)

برادرم چونکہ تحریر کے میدان میں نووارد ہے اس لئے اس نے مجھ سے خواہش کی کہ میں اس کے مضمون پر نظر ثانی کروں تو میں نے چھوٹے بھائی کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اس کی حوصلہ افزائی اور تحسین وترغیب کی خاطر اس مضمون کی نوک پلک سنواری ہے اور اس میں کمی وبیشی اور ترمیم وتنسیخ کی ہے۔ برادرم اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں یہ فیصلہ کرنا قارئین کرام کا کام ہے اگر میں اس پر تقریظ لکھوں تو یہ سمجھا جائے گا کہ بھائی ہونے کے ناطہ سے بات کی ہے۔ اس لئے تقریظ کے طور پر محترم المقام مولانا عبدالحمید شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ حفظہ اللہ کے کلمات ہی کافی ہیں۔ میرے یہ کلمات پیش لفظ یا مقدمہ تصور کرلیجئے

عبدالعزیز علوی

صدر مدرس جامعہ سلفیہ فیصل آباد

================

تقریظ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

کچھ عرصے سے فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کو ایک نزاعی مسئلہ بنادیا گیا ہے فریقین اپنے اپنے موقف کو ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کررہے ہیں ایک فریق فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کو افضل ترین عبادت تصور کرتا ہے دوسرا فریق فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھائے بغیر دعا کا قائل ہے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جرم سمجھتا ہے۔ اس فریق میں کچھ ایسے حضرات بھی ہیں جو ہاتھ اٹھانے کو بدعت قبیحہ قرار دیتے ہیں ان حضرات کا موقف یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دعاؤں میں جہاں جہاں ہاتھ اٹھائے ہیں انہیں مقامات پر ہاتھ اٹھانے چاہئے جہاں نہیں اٹھائے وہاں نہیں اٹھانے چاہئے اوران کے نزدیک فرض نمازوں کے بعد نبی کریم ﷺ کا ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت نہیں ہے۔ اس لئے یہاں ہاتھ نہیں اٹھانا چاہئے۔ دراصل ان حضرات نے شریعت اسلامیہ کے بنیادی مقصد کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ دین اسلام جو ایک مکمل نظام حیات ہے اس کی اساس یہ ہے کہ اللہ کے بندے اپنی بے بسی اور عاجزی کا اعتراف اور اللہ کی عظمت و بزرگی کا اقرار کرتے رہیں چونکہ دین اسلام فطرت انسانی کے عین مطابق ہے اور انسانی فطرت ہے کہ ہر کمزور طاقتور کے آگے دست بستہ کھڑا ہوتا ہے سائل اور مانگت، صاحب استطاعت، مالدار کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے۔ بسا اوقات دست بستہ قیام اور رکوع وسجود کے ذریعہ اس کی تعظیم کا اظہار کرتا ہے۔ اور دین اسلام میں ان چیزوں کو اللہ تعالی کے ساتھ خاص کردیا گیا ہے شاہ ولی اللہ نے اپنی عظیم کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں نماز میں رفع الیدین کی (ہاتھ اٹھانے کی) یہ حکمت بیان کی ہے کہ لانہ فعل تعظیمی یہ ایک تعظیمی عمل ہے۔ جس سے اللہ تعالی کی عظمت وبزرگی کا ہاتھ اٹھا کر اظہار کیا جاتا ہے اس طرح دعا مین ہاتھ اٹھانا اللہ تعالی کی غایت درجہ تعظیم اور ہاتھ اٹھا کر مانگنے والے کی انتہائی عاجزی اور بے بس کا عملی اظہار ہوتا ہے اس لئے نبی کریم ﷺ نے قحط کے موقعہ پر اجتماعی حالت میں دعا کرتے ہوئے ہاتھوں کو اس قدر بلند کیا کہ آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی قحط کی کربناک مصیبت کے موقعہ پر دعا میں اس قدر بلند ہاتھ اٹھانا اہل دانش وعلم کیلئے لمحہ فکریہ مہیا کرتا ہے کہ یہ طرز عمل اللہ کی عظمت و بزرگی کے اعتراف اور اپنی عجز و انکساری کے اظہار کیلئے اختیار فرمایا ہے۔ آپ نے یہ رویہ اور طرز عمل فضول یا بے مقصد اختیار نہیں کیا۔ آپ نے فرائض میں رفع الیدین پر عمل کیا تو ہم نے یہی رویہ سنن رواتبہ قیام اللیل نماز کسوف اور نماز استسقاء میں اپنا لیا۔ وگرنہ الگ طور پر ان کیلئے رفع الیدین کا ثبوت مشکل ہے اگر اصول یہی ہے جہاں آپ نے ہاتھ اٹھائے ہیں وہیں ہاتھ اٹھانے ہیں جہاں نہیں اٹھائے وہاں ہاتھ اٹھانا بدعت ہے تو ان نفلی نمازوں مین ہاتھ اٹھانے کا التزام کیوں کیا جاتا ہے اور اس اصول وضابطہ کی پابندی کیوں نہیں کی جاتی اس بے انصافی اور تفریق کا جواز کیا ہے حقیقت یہی ہے کہ اپ نے چونکہ نماز میں رفع الیدین کیا ہے۔ لہذا فرض ونوافل کی تخصیص کے بغیر رفع الیدین پر عمل ہوگا اس پر محدثین کا عمل رہا۔ اس طرح دعاء کیلئے اپ نے ہاتھ اٹھانے ہیں تو ہم بھی دعائے سوال میں ہاتھ اٹھائیں گے۔ دعاء انفرادی ہو یا اجتماعی اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی الجامع الصحیح میں باب قائم کیا ہے رفع الایدی فی الدعاء دعاء میں ہاتھ اٹھانا اس میں کسی وقت یا جگہ کی تعیین نہیں کی کہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی فرض نمازوں کے بعد یا پہلے یا کسی اور موقع محل پر نبی اکرم ﷺ نے نوافل پڑھنے کی ترغیب دلائی ہے لیکن تین اوقات میں نفل پڑھنے سے روک دیا

ہے لیکن دعاء مانگنے پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں فرمائی کہ فلاں فلاں اوقات مین دعاء نہ کرنا۔ اب جب آپ نے پابندی عائد نہیں فرمائی تو ہمیں کیا حق پہنچتا ہے کہ ہم یہ کہیں نمازوں کے بعد ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ اس لئے اس افضل ترین عبادت کیلئے کسی قسم کی پابندی عائد کرنا اور اس پابندی کے توڑنے پر بدعت کا اطلاق کرنا اچھی یا پسندیدہ بات نہیں ہے۔ نہ کسی کو اس کا حق حاصل ہے پچھلے دور میں جبکہ ہمارے اکابر اساتذہ موجود تھے یہ دیکھنے میں آتا تھا کہ نمازی حضرات نماز کے سلام کے بعد اپنی اپنی جگہ بیٹھے ذکرواذکار مین مصروف ہیں امام اپنا وظیفہ پڑھ رہا ہے جب وہ دعا کیلئے ہاتھ اٹھاتا ہے تو لوگ بھی اس کے ساتھ دعاء میں شریک ہو جاتے ہیں اور دعا سے فراغت کے [illegible] اطمینان سے مس[illegible] سے نکل جاتے ہیں اب ہمارے دعاء کو بدعت قرار دینے کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد ذکرواذکار اور وردووظیفہ کیلئے بیٹھنے کی بجائے نمازی سلام پھیرتے ہی نمازیوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے مسجد سے نکل جاتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: **یسروا ولا تعسروا.** سہولت وآسانی پیدا کرو تنگی کا باعث نہ بنو جس کام کیلئے نبی اکرم ﷺ کا حکم موجود ہو اس پر حتی الوسع عمل پیرا ہونے کی کوشش کرنی چاہئے نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے **اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا له الدعاء**۔ جب میت کا جنازہ پڑھو تو اس کیلئے خلوص دل سے دعاء کرو۔ آپ کے اس فرمان کی روشنی میں نماز جنازہ پڑھانے والے حضرات آپ سے منقول بہت سی دعائیں نماز جنازہ میں پڑھتے ہیں اور مقتدی حضرات آمین کہتے ہیں (جس کا ثبوت موجود نہیں ہے) لیکن کتب حدیث میں کہیں یہ موجود نہیں ہے کہ آپ نے یہ سب دعائیں ایک ہی جنازہ میں پڑھی تھیں۔ (اور ان میں تکرار کیا تھا) اس کے باوجود اس عمل کو کسی نے بدعت قرار نہیں دیا دوسری طرف آپ کا فرمان ہے **سلوا الله ببطون اکفکم** الله سے سیدھے ہاتھوں کے ذریعہ مانگو اب اس کیلئے یہ جستجو اور کرید شروع کردی گئی ہے کہ آپ نے کہاں ہاتھ اٹھائے تھے اور کہاں نہیں، کیا یہ دوہرا معیار سراسر بے انصافی نہیں ہے۔ شریعت مطہرہ میں اجتماعی دعا کی ترغیب موجود ہے اور اجتماعی مواقع پر آپ نے دعا کی بھی ہے فرض نمازوں کے بعد دعاء کی قبولیت کا موقعہ ہوتا ہے کیونکہ نیک عمل کرنے کے بعد دعا کی قبولیت کا زیادہ امکان ہے جیسا کہ غار میں پھنس جانے والوں نے اپنے نیک اعمال کے توسط سے دعا کی تھی اور اللہ نے اسے شرف قبولیت سے نوازا تھا۔ دعاء میں ہاتھ اٹھانا اپنی بے بسی اور عجز وانکساری کا اظہار اور اللہ تعالی کی عظمت وکبریائی کا اعتراف ہے۔ یہ دعا انفرادی ہو یا اجتماعی۔ کسی اجتماع کے موقعہ پر ہو یا نمازوں کے بعد اس مسئلہ کو مولانا عبدالعلیم صاحب استاد جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ نے اپنے اس کتابچہ مین دلائل کی روشنی میں انتہائی محنت سے ثابت کرنیکی محنت وکوشش کی ہے اور وہ بحمد اللہ اپنی محنت میں کامیاب ہوئے ہیں ہمیں ہر قسم کی ضد اور ہٹ دھرمی کو خیرباد کہتے ہوئے اس کو ٹھنڈے دل ودماغ سے پڑھ کر دعا جیسے افضل ترین عبادت سے محروم رہنے سے بچنا چاہئے اور خواہ مخواہ اس پر عمل کرنے والے اپنے اسلاف پر نکتہ چینی کرنے سے گریز کرنا چاہئے اللہ تعالی ہم سب کو اعمال صالحہ سرانجام دینے کی توفیق سے نوازے آمین۔

العبد: عبدالحمید مدرس جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ

===============

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدلله رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الرسل وخاتم النبیین وآله وصحبه ومن تبعهم باحسان الی یوم الدین اما بعد:

ارشاد باری تعالیٰ ہے **وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جهنم داخرین** (سورة المومن:٦٠) آپ کے رب نے فرمایا ہے مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا، جو لوگ میری عبادت سے ناک بھوں چڑھاتے ہیں وہ عنقریب ذلیل وخوار ہو کر جھنم میں داخل ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کو انسان کا عجز ونیاز، فروتنی وانکسار اور گڑگڑانا، بہت پسند ہے دعا میں ہاتھ اٹھانا عجز ونیاز اور انسان کی بے بسی وضعف کا اظہار ہے اس لئے حضور اکرم نے دعائے استقاء (بارش طلب کرنا) میں انتہائی عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتے ہوئے اپنے ہاتھ اس قدر بلند فرمائے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی (متفق علیہ) اور ایسی صورت اس وقت بھی اختیار کی جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے فعل سے

برآت کا اظہار فرمایا تھا اور دعائے سوال (جب اللہ تعالیٰ سے اپنی کسی ضرورت و حاجت کے بارے میں دعا کرنی ہو) میں آپ نے صراحتہ ہاتھ اٹھانے کا حکم دیا ہے فرمایا اذا سألتم اللہ فسئلوہ بباطن اکفکم ولا تسالوہ بظہورھا۔ جب تم اللہ تعالیٰ سے مانگو تو اس سے اپنی ہتھیلیوں کے اندرونی حصہ سے مانگو اور اس سے ہتھیلیوں کی پشت سے نہ مانگو، یہ حدیث صحیح ہے رسالہ الدعا تصنیف علامہ عبداللہ الحضری ص ۱٦، سنن ابی داؤد دارالسلام ص ۲۲۰، حدیث ۱۲۸٦ اور صحیح الجامع الصغیر ج ۲ ص ۸٦۳، حدیث ۲۷۳۷ میں حضرت سائب رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل بیان کرتے ہیں **کان اذا سال اللہ جعل باطن کفیه الیه** آپ جب دعا فرماتے تو ہتھیلیوں کا اندرونی حصہ اپنی طرف کر لیتے۔

آپ کے فرمان اور عمل سے ثابت ہوا کہ دعائے سوال کیلئے ہاتھ اٹھانا پسندیدہ طرز عمل ہے اور اس حدیث میں کسی وقت کی تعیین و تحدید نہیں کی گئی کہ یہ طرز عمل فلاں وقت کی درخواست کیلئے ہے۔ اس لئے انسان جب بھی دعائے سوال کرنا چاہے تو ہاتھ اٹھا کر مانگے خواہ یہ دعائے درخواست فرض نماز سے پہلے ہو یا بعد اور چاہے نوافل سے پہلے ہو یا بعد یا کسی اور وقت لیکن یہ طرز عمل دعائے سوال کیلئے ہے۔ اور یہ کسی زبان میں بھی ہوسکتی ہے ہاں عام ادعیہ جو مختلف اوقات یا مقامات کی تحدید، تعیین کے ساتھ آپ سے منقول ہیں اور عربی میں آپ سے مروی الفاظ ہی میں کی جاتی ہیں وہ بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے کی جاتی ہیں نیز فرض نمازوں کے بعد، ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا فرضوں کا حصہ نہیں ہے اور نہ لازم و ضروری ہے اس کا انحصار اپنی یا مسلمانوں کی ضرورت و حاجت پر منحصر ہے لیکن یہ کہنا کہ فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے اس لئے انہیں مقامات پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا چاہئے جہاں جہاں آپ سے ہاتھ اٹھانا ثابت۔ ہے لہٰذا فرائض کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا **خلاف سنت بلکہ بدعت ہے** یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ اصول فقہ کی کتب میں اس کی تصریح موجود ہے کہ عام اور مطلق سے کسی عمل و فعل کے جواز پر استدلال کرنا درست ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ کا عام اور مطلق سے کسی عمل کیلئے استدلال کرنا ایک معروف اور مسلمہ حقیقت ہے عام جب تک دلیل تخصیص موجود نہ ہو عام ہی رہے گا۔ اور مطلق دلیل تقیید کے بغیر مطلق ہی رہے گا بلا دلیل تخصیص اور تقیید قابل قبول نہیں ہے اور دلیل تخصیص اور تقیید کے موجود ہونے کی صورت میں وہی فرد مستثنیٰ ہوگا جس کیلئے دلیل تخصیص اور تقیید مل گئی ہے باقی افراد میں عموم اور اطلاق قائم رہے گا۔ ہم نے جو حدیث پیش کی ہے کہ اذا سألتم اللہ جب یا جس وقت بھی تم مانگو اس میں اذا عموم پر دلالت کرتا ہے اس طرح آغاز میں پیش کی گئی آیت بھی عام ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے بلا کسی وقت کی تعیین اور تحدید کے مانگنے کا حکم دیا ہے۔ اور قبولیت کی نوید سنائی ہے۔ اور دعا کو عبادت سے تعبیر کیا ہے۔ اور نہ مانگنے والوں کی وعید شدید سنائی ہے اور آپ نے فرمایا ہے۔ لیس شئی اکرم علی اللہ تعالی من الدعاء صحیح سنن الترمذی ج ۳ ص ۱۳۸ اللہ تعالیٰ کے ہاں دعاء سے زیادہ قابل قدر کوئی چیز نہیں ہے۔ دوسری حدیث سے **لایرد القضاء الا الدعاء ولا یزید فی العمر الاالبر سنن ترمذی ۱۷۳۷**، (تقدیر کو صرف دعا ہی ٹالتی ہے اور نیکی عمر میں اضافہ کا باعث ہے)

تیسری حدیث ہے من لم یسئل اللہ یغضب علیه (جو اللہ سے مانگتا نہیں اللہ اس پر ناراض ہوتا ہے) صحیح سنن ترمذی حدیث ۳٦۱۳، جامع الترمذی ۷۷۰ دارالسلام، قران مجید میں دوسری جگہ فرمایا گیا ہے: **اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیومنوا بی**، بقرۃ آیت: ۱۸٦، جب دعا کرنے والا مجھے پکارتا ہے میں دعا قبول کرتا ہوں لہٰذا انہیں چاہئے میرے احکام بجالائیں اور مجھ پر ایمان لائیں، تیسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء** سورہ نمل: آیت ٦۲، بھلا کون ہے جو لاچار کی فریاد رسی کرتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور اس کی تکلیف دور کرتا ہے ان دونوں آیات میں اذا کا لفظ آیا ہے جو عام ہے کیونکہ اضطرار بیقراری اور پریشانی یا تکلیف آنے کا کوئی وقت نہیں ہے اس لئے اللہ کی رحمت و کرم کے دروازے بھی ہر وقت کھلے رہتے ہیں۔ اور **فلیستجیبوا لی** سے معلوم ہوتا ہے کسی نیکی اور بندگی کے بعد دعا کرنا قبولیت کے در کو کھولتا ہے اس لئے آداب دعا میں یہ بات بھی شامل ہے کہ دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی جائے،

پھر آپ ﷺ پر صلوٰۃ و درود بھیجا جائے پھر دعا مانگی جائے اور آپ نماز پنجگانہ کے بعد خصوصی طور پر فجر اور مغرب کے بعد بہت سارے اور وظائف فرماتے تھے، چونکہ فرائض ایک بنیادی اور اساسی عبادت ہے۔ اس لئے ان کے بعد دعا کی قبولیت کا زیادہ امکان ہے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا، دعائے سوال کا پسندیدہ طریقہ ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: **سلوا اللہ ببطون اکفکم ولا تسلوہ بظھورھا** ۔ اللہ سے اپنی ہتھیلیوں کے اندرونی حصہ سے دعا کرو اور اس سے ان کی پشت کے ذریعہ نہ مانگو، مجمع الزوائد ج ٤ ص ٣٣٤، بحوالہ فتاویٰ نذیریہ ج ١ ص ٥٦٧ اور اس حدیث کی تائید اوپر بیان کردہ حدیث اور آپ کے طرز عمل سے بھی ہوتی ہے اور بقول علامہ ہیثمی کے اس کے رجال، عمار بن خالد الواسطی کے سوا صحیح کے رجال ہیں۔ اور عمار بھی ثقہ راوی ہے۔ اور اس حدیث میں تعیین یا تخصیص نہیں ہے کہ یہ دعا کس وقت ہو جب اس حدیث میں کسی قسم کی قید یا تخصیص نہیں ہے تو پھر اس کے ساتھ یہ قید یا تخصیص بلا دلیل صریح کیسے لگائی جا سکتی ہے کہ یہ دعاء فرض نمازوں کے بعد نہ ہو یا اجتماعی نہ ہو۔ جبکہ اس میں حکم سب کو دیا جا رہا ہے اس لئے دعاء انفرادی ہو یا اجتماعی فرض نمازوں کے بعد ہو یا نوافل کے یا کسی اور وقت میں ہاتھ اٹھانے کی ہر وقت گنجائش موجود ہے۔ اور فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا نہ کرنے والوں کی اپنی صورت حال یہی ہے کہ ہر عموم اور اطلاق سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس کو دلیل و برہان بنا کر پیش کرتے ہیں۔ مثلاً ان میں سے بعض حضرات کے نزدیک پہلے اور دوسرے تشہد میں کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے۔ اس لئے پہلے تشہد میں بھی درود شریف پڑھنا چاہئے۔ اور دلیل یہ پیش فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما** ۔ اے ایمان والو نبی ﷺ کی ذات مقدسہ مبارکہ پر درود و سلام بھیجو اور کسی صحیح مرفوع حدیث میں درود شریف کے بارے میں پہلے اور دوسرے قعدے میں فرق وارد نہیں ہوا۔ احکام و مسائل ص ٢٠١ تالیف کردہ محترم حافظ عبدالمنان حفظہ اللہ حالانکہ صورت حال یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے۔ باب التشھد فی الاولی پہلی جگہ تشہد اس کے بعد دوسرا باب قائم کیا ہے التشھد فی الاخری آخر میں تشہد اس میں تشہد صرف **اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ** تک لکھا ہے۔ درود کا تذکرہ ہی نہیں کیا اس کے بعد تیسرا باب قائم کیا ہے کہ باب الدعاء قبل السلام، سلام پھیرنے سے پہلے دعا اور اس باب میں بعض ادعیہ لکھی ہیں پھر چوتھا باب قائم کیا ہے: **باب ما یتخیر من الدعا بعد التشھد ولیس بواجب** تشہد کے بعد دعاؤں کا انتخاب کرنا اور یہ ضروری نہیں ہے۔ صحیح بخاری دارالسلام ص ١٣٥۔ اس میں تشہد **اشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ** تک ہے درود کا تذکرہ نہیں ہے اور آخری باب ہے کہ اس کے بعد اپنی پسندیدہ دعا کا انتخاب کرے۔ لیکن یہ دعا ضروری نہیں ہے یہی صورت حال صحیح مسلم میں ہے وہاں بھی صرف اتنا ہے۔ بقول **فی کل رکعتین التحیۃ** ہر دو رکعت میں التحیات پڑھتے تھے۔ اور امام نووی نے اس پر التشھد الاول کا تذکرہ فرمایا ہے: صحیح مسلم دارالسلام ص ٢٠٤)

ان حضرات سے دونوں تشھدوں میں درود پڑھنے کیلئے طریق استدلال یہ اختیار کیا ہے کہ کسی صحیح مرفوع حدیث میں پہلے اور دوسرے قعدے میں فرق وارد نہیں ہوا۔ لیکن یہی طریق استدلال اگر ہم اختیار کرتے ہیں کہ دعائے درخواست کی احادیث مین دعاء کیلئے ہاتھ اٹھانے کی تصریح موجود ہے۔ اور ان میں انفرادی یا اجتماعی اور فرائض اور غیر فرائض کی تخصیص یا تقیید نہیں ہے اور کسی صحیح مرفوع حدیث میں کسی قسم کی قید اور تخصیص نہیں ہے۔ لہٰذا جب چاہے اور جیسے چاہے ہر وقت ہاتھ اٹھا کر انفرادی و اجتماعی صورت میں دعا کرنا جائز ہے اس پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کی جا سکتی۔ تو ہمارا استدلال ان کی طبع نرم و نازک پر بہت گراں گزرتا ہے۔ اور یہ حضرات مذاق و استھزاء اڑانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ معلوم نہیں یہ دوہرا معیار انہیں کیوں ناگوار نہیں گزرتا۔ اور صورت حال یہ ہے جس آیت مبارکہ سے استدلال کیا گیا ہے اس میں نماز کا تذکرہ ہی نہیں ہے۔ یہ عمل کسی دوسرے وقت میں کر لیں تو آیت پر عمل ہو جائے گا اس میں پہلے یا دوسرے قعدہ کا تذکرہ نہیں ہے اس لئے فرق و امتیاز کا ذکر بھی نہیں ہے۔ مزید برآں یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ کسی صحیح مرفوع حدیث میں دونوں قعدوں کے درمیان فرق وارد نہیں ہوا۔ اس دعوے کی تردید ہم اپنے

ایک دوسرے مضمون میں کر چکے ہیں جو ہفت روزہ اہلحدیث کے شمارہ ۱۱ شعبان ۱۴۲۳ اور ۱۸ شعبان ۱۴۲۳ میں بعنوان ''کیا درمیانی تشہد میں درود پڑھنا ضروری ہے'' شائع ہو چکا ہے اور اس کی تیسری قسط ''ضروری تصحیح'' کے نام سے ہفت روزہ اہلحدیث شمارہ ۱۷ محرم ۱۴۲۴ھ میں شائع ہوئی ہے۔اور ماہنامہ ترجمان الحدیث ماہ اگست 2003 میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

> **رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان ربکم حی کریم یستحي من عبده اذا رفع یدیه الیه ان یردهما صفرا ۔ تمہارا رب بہت حیادار، سخی ہے. جب اس کا بندہ ہاتھ اٹھا کر مانگتا ہے تو اسے حیا آتی ہے کہ وہ بندے کے ہاتھوں کو خالی لوٹائے.**

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مذکورہ بالا حدیث دعائے درخواست میں ہاتھ اٹھانے کیلئے نص صریح ہے اور اس میں کسی وقت کی تخصیص یا تعیین نہیں ہے اور نہ ہی انفرادی یا اجتماعی ہونے کی قید ہے اور کسی قسم کی تخصیص یا تفریق کیلئے کوئی صحیح مرفوع حدیث تو کجا ضعیف اور کمزور حدیث بھی موجود نہیں ہے اور نیز اس حدیث میں ہاتھ اٹھانے کا حکم دیا گیا ہے کہ جس وقت دعا کرو تو ہاتھ اٹھاؤ' اگر **صلوا** صیغہ اُمر ہونے کی بنا پر دونوں قعدوں میں درود شریف کے پڑھنے کو لازم اور ضروری قرار دیتا ہے کیونکہ یہ لفظ عام ہے اور دلیل تفریق موجود نہیں ہے تو سلوا کا صیغہ اُمر جو دعا میں ہاتھ اٹھانے کا حکم دیتا ہے اس سے نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی اجازت اور گنجائش کیوں نہیں نکلتی' گویا جہاں اپنی ضرورت ہو اور اپنے نقطۂ نظر کیلئے استدلال کرنا ہو وہاں تو بلا قرینہ ہی صیغہ اُمر وجوب اور لزوم پر دلالت کرتا ہے اور جہاں اپنے نقطۂ نظر اور اپنی سوچ وفکر کے خلاف ہو وہاں قرینہ کی موجودگی میں بھی لزوم و وجوب تو کجا' جواز اور اباحت کی دلیل بھی نہیں بن سکتا' اس سے زیادہ تعجب اور حیرت انگیز بات کیا ہو سکتی ہے إن هذا لشيء عجاب نماز کے بعد ہاتھ اٹھانے کیلئے تو دلیل خاص طلب کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے آپ نے نماز فرض کے بعد ہاتھ نہیں اٹھائے حالانکہ جمعہ کی نماز جو فرض ہے اور اس میں کلام وگفتگو کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے' وہاں آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی ہے.

متفق علیہ (بخاری ومسلم) کی روایت ہے کہ: أتى رجل أعرابي من أهل البدو إلى رسول الله ﷺ يوم الجمعة فقال يا رسول الله ﷺ هلكت الماشية' هلك العيال' هلك الناس فرفع رسول الله ﷺ يديه يدعو ورفع الناس أيديهم معه يدعون (فتح الباری ج ۲ صفحہ نمبر ۶۶۵)

ایک بدوی جنگل سے جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول (قحط سالی کی وجہ سے) حیوانات' اہل وعیال اور لوگ مر رہے ہیں (اس لئے بارش کی دعا کیجئے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کیلئے اپنے ہاتھ اٹھا دیئے اور لوگوں نے بھی دعا کیلئے آپ کیساتھ ہاتھ اٹھا لئے (بخاری شریف صفحہ نمبر ۱۶۵ دار السلام)

ہفتہ بھر بارش ہوتی رہی تو اگلے جمعہ کے دوران ایک آدمی کھڑا ہو گیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ هلكت الأموال وانقطعت السبل فادع الله يمسكها عنا قال فرفع رسول الله ﷺ يديه' فتح الباری ج ۲ صفحہ نمبر ۶۴۶-۶۵۷ اے اللہ کے رسول ﷺ (بارش کی کثرت کی وجہ سے) مال ہلاک ہو رہا ہے اور راستے بند ہو گئے ہیں اللہ تعالی سے دعا فرمائیے کہ بارش ہم سے روک لے' تو آپ نے ہاتھ اٹھا لئے (اور دعا فرمائی) مختلف روایات کیلئے دیکھئے بخاری شریف دار السلام صفحہ نمبر ۱۵۰ أ ۱۶۳.

امام نووی لکھتے ہیں: بارش کے طلب کرنے کیلئے تین صورتیں ہیں (۱) کسی وقت نماز کے علاوہ دعا کرنا (۲) خطبہ جمعہ کے دوران یا فرض نماز کے بعد دعا کرنا (۳) باہر نکل کر صلوۃ استسقاء پڑھنا اور دعا کرنا (شرح صحیح مسلم ۲۹۲ ج ۱) اور خطبہ کے دوران اس قدر خطبہ کے سننے کا اہتمام کرنے اور توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے کہ آپ نے فرمایا من مس الحصى فقد لغا (صحیح مسلم صفحہ ۲۸۳ ج ۱) کہ جمعہ کے دوران جو کنکروں کو ہاتھ لگاتا ہے تو اس نے بے مقصد لغو اور مذموم کام کیا حتی کہ اگر کوئی بول رہا ہو تو اس کو چپ کرانا بھی لغو اور بیجا کام ہے (صحیح بخاری دار السلام، صفحہ ۱۵۰) اور اگر اثنائے جمعہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا کی جا سکتی ہے تو فرض نماز کے بعد کیوں نہیں کی جا سکتی جہاں کہ

بات چیت جائز ہو چکی ہے۔

مزید برآں آپ سے صراحۃً فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت ہے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لقد رایت رسول الله ﷺ کلما صلی الغداۃ رفع یدیہ یدعو علیھم (حلیۃ الأولیاء صفحہ نمبر ۱۲۳۔۱۲۴)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صبح کی نماز پڑھنے کے بعد ان (قاتلین) کے خلاف دعا کرتے تھے اس روایت کو امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے اور حافظ ذھبی نے اس پر خاموشی اختیار کی ہے گویا امام حاکم کی بات کو تسلیم کیا ہے اس کے ایک راوی علی بن صقر کو امام دارقطنی نے لیس بالقوی کہا ہے کہ وہ قوی نہیں ہے۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

قد قیل فی جماعات لیس بالقوی واحتج بھم۔ (الموقظہ صفحہ نمبر ۸۲)

کئی راویوں کے بارے میں لیس بالقوی کہا گیا ہے لیکن ان سے حجت واستدلال کا کام بھی لیا گیا ہے اور بقول مولانا ارشاد الحق یہ بات فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۴۳ جلد ۲۳ غیث الغمام صفحہ نمبر ۱۵۱ اور ضوابط الجرح والتعدیل صفحہ نمبر ۱۴۳ پر موجود ہے۔

علامہ معلمی یمانی لکھتے ہیں:

لیس بالقوی إنما تنفی الدرجۃ الکاملۃ من القوۃ (التنکیل صفحہ ۲۳۲، جلد ۱)

لیس بالقوی سے قوۃ کے درجہ کاملہ کی نفی ہوتی ہے اس لئے حدیث درجہ استناد سے ساقط نہیں ہوتی اس حدیث پر یہ اعتراض کرنا درست نہیں ہے کہ یہ ان احادیث کے مخالف ہے جن میں یہ آیا ہے کہ آپ فجر کی نماز کے اندر دعا کرتے تھے، کیونکہ اثنائے نماز میں دعا کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ بعد میں دعا نہیں کرتے تھے آپ حضرات ایک طرف نماز کو دعا قرار دیتے ہیں اس کے باوجود یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آپ فرض نمازوں کے بعد بھی ہاتھ اٹھائے بغیر دعا فرماتے تھے اس لئے نماز کے اندر ہاتھ اٹھانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ نماز کے بعد ہاتھ نہیں اٹھاتے ہیں اور دوسری طرف صورت حال یہ ہے کہ آپ حضرات پہلے قعدہ میں درود پڑھنا ضروری قرار دیتے ہیں لیکن یہاں یہ نہیں کہتے کہ درود صرف ان مقامات پر پڑھنا چاہئے، جہاں آپ نے پڑھا ہے اور فرض نماز کے پہلے قعدہ میں درود کا کسی صحیح مرفوع حدیث سے ثابت ہونا تو کجا کسی صریح مرفوع ضعیف حدیث سے بھی ثابت نہیں ہے، ہاں وتر اگر نو (۹) اکٹھے پڑھے جائیں تو اس صورت میں آٹھویں وتر پر بیٹھیں گے اور وہاں التحیات، دعا اور درود پڑھیں گے اس طرح وتر پڑھنے کا طریقہ اور ھیت وصورت ہی الگ ہے اس کو دلیل کیسے بنایا جا سکتا ہے تو اس فرق وامتیاز کے باوجود یہاں درود کو وتروں کی مخصوص تعداد کے ساتھ جہاں آپ نے پڑھا خاص کیوں نہیں کیا جاتا معترضین دعا کا مندرجہ ذیل تبصرہ، ان حضرات پر کیوں صادق نہیں آتا

(تو یہ واضح ہے کہ جس کی عبادت ہے اس معبود برحق نے اپنی عبادت کا طریقہ بتانے کیلئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف نبی و رسول بنا کر بھیجا اور انہوں نے امت کو وہ طریقہ بتا دیا، اب امت کا فرض ہے کہ وہ صرف اسی طریقہ پر عمل کرے، اگر اس سے روگردانی کرے گی تو ارشاد نبوی ہے: من رغب عن سنتی فلیس منی (صحیح بخاری ومسلم) کہ جس نے میری سنت سے بے رغبتی کی وہ محمد سے نہیں، نیز قرآن مجید میں بیشتر آیات ایسی بھی ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر جہنم کی وعید سنائی گئی ہے فرض نمازوں کے بعد نفس دعا سے ہمیں کوئی اختلاف نہیں ہے، اختلاف صرف ہاتھ اٹھانے سے ہے ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ جس جس مقام پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی صرف اس اس مقام پر ہی ہاتھ اٹھانا سنت ہے اور جس جس مقام پر ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں ان ان مقامات پر ہاتھ کو نہ اٹھانا سنت اور ادب اور اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔)

اگر ادب، عبادت اور سنت یہی ہے کہ وہی عمل کیا جائے جو صراحۃً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، تو اس کی پابندی آپ ہر جگہ کیوں نہیں کرتے آپ ہر تشھد میں درود کیوں لازم ٹھہراتے ہیں اور آپ نے باجماعت تراویح صرف تین دن پڑھی ہیں آپ پورا ماہ کیوں تراویح باجماعت پڑھتے ہیں جبکہ ہم تو دعائے سوال کیلئے ہاتھ اٹھانے کیلئے آپ کا صریح حکم پیش کرتے ہیں اور آپ کا عمل بھی پیش کرتے ہیں ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں

تیری زلف میں آئے تو حسن کہلائے
وہ تیرگی جو میرے نامہ اعمال میں آئے

ہمارا موقف یہ ہے کہ فرضوں کے بعد

ضرورت وحاجت کیلئے دعا کرنا دعائے سوال ہے جس میں ہاتھ اٹھانے کا حکم ہے اور یہ حکم عام ہے کہ آپ جس وقت چاہیں اللہ سے ہاتھ اٹھا کر مانگ لیں اور آپ نے درود شریف کے لزوم اور فرضیت کیلئے جو طریقہ استدلال اختیار کیا ہے اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بھی لازم اور ضروری ہو' کیونکہ اس کائنات کے خالق' مدبر اور منتظم نے تو حکم دیا ہے ادعونی أستجب لکم مجھ سے مانگو' میں تمہاری پکار قبول کروں گا' آپ کے بقول صیغہ امر وجوب پر دلالت کرتا ہے اور یہاں ادعوا امر کا صیغہ ہے' لہٰذا امر چونکہ وجوب پر دلالت کرتا ہے اس لئے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا فرض اور لازم ہے کیونکہ آپ کا فرمان ہے: سلو الله ببطون أكفكم اپنے سیدھے ہاتھ اٹھا کر مانگو اور سلوا کا لفظ صیغہ امر ہے اور دعا ہی کے سلسلہ میں وارد ہوا ہے اس لئے نص صریح اور صحیح ہونے کی بنا پر وجوب کا تقاضا کرتا ہے آپ حضرات بلانص صریح پہلے قعدے میں درود کو فرض قرار دیتے ہیں اور آیت سے جو مطلق ہے نماز کا اس میں ذکر تک نہیں ہے اس سے استدلال کرتے ہیں لیکن طرفہ تماشہ یہ ہے کہ دعا کیلئے ہاتھ اٹھانے کے استحباب کو بھی ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں بلکہ الٹی گنگا بہاتے ہوئے فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کو بدعت قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں ہم یہی کہہ سکتے ہیں

کوئی مانے یا نہ مانے جانِ جہاں اختیار ہے
ہم تو نیک و بدحضور کو سمجھائے دیتے ہیں
ہمارا کام ہے کہنا بتا دینا
تمہاری مرضی ہے مانو یا نہ مانو

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ما رفع قوم أكفهم إلي الله ليسئلوا شيئا إلا كان حقا علي الله عز وجل أن يضع في أيديهم الذى سألوا - جب لوگ اپنی ہتھیلیاں اللہ عزوجل کی طرف اٹھا کر اس سے کچھ مانگتے ہیں تو اللہ اپنے لئے لازم قرار دیتا ہے' جو کچھ انہوں نے مانگا ہے وہ انہیں عنایت فرمائے۔ اور اس کی تصدیق حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث سے ہوتی ہے جس کو علامہ عبداللہ خضری جو فرض نماز کے بعد دعا کو بدعت قرار دیتے ہیں نے صحیح تسلیم کیا ہے (الدعاء صفحہ ۱۵ حاشیہ نمبر ۲۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إن ربكم حيى كريم يستحي من عبده إذا رفع يديه إليه أن يردهما صفرا۔ تمہارا رب بہت باحیا' سخی ہے' جب اس کا بندہ ہاتھ اٹھا کر مانگتا ہے تو اسے حیا آتی ہے کہ وہ (بندے) کے ہاتھوں کو خالی لوٹائے۔ سنن ابی داؤد صفحہ ۲۲۱

اور حضرت ابن عباس کا یہ قول صحیح سند سے ثابت ہے: المسئلة أن ترفع يديك حذو منكبيك أو نحوهما والاستغفار أن تشير باصبع واحدة والابتهال أن تمد يديك جميعا (سنن بیہقی ۱۳۳/۲ سنن ابی داؤد دارالسلام صفحہ ۲۲۱) سوال کرنے' مانگنے کی صورت یہ ہے کہ تم اپنے کندھوں کے برابر یا ان کے قریب تک ہاتھ اٹھاؤ' بخشش طلب کرنا یہ ہے کہ تم ایک انگلی سے (اس کی واحدنیت کی طرف) اشارہ کرو اور ابتہال' عاجزی وبے بسی یہ ہے کہ دونوں ہاتھ پھیلا دو۔

جب آپ نماز استقاء کیلئے باہر تشریف لے گئے تو آپ نے منبر پر تشریف رکھتے ہوئے فرمایا:

وقد امر كم الله عزوجل ان تدعوه ووعدكم ان يستجيب لكم (سنن ابی داؤد صفحہ ۱۷۵)

اسی طرح آپ نے آیت قال ربکم ادعونی استجب لکم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کے عموم سے دعا کرنے پر استدلال فرمایا اور ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی جیسا کہ اس روایت میں بھی موجود ہے کہ آپ نے بہت مبالغہ کے ساتھ ہاتھ اٹھائے۔ لیکن بعض حضرات' حضرت انس بن مالک کی اس حدیث کہ:

كان النبي ﷺ لا يرفع يديه في شيء من دعائه الا في الاستسقاء حتى يرى بياض ابطيه (صحیح مسلم ج ۱' صفحہ ۲۹۳' صحیح بخاری ج ۱' صفحہ ۱۴۰) نبی اکرم ﷺ اپنی دعائے استقاء کے دعا میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے (یہاں اس قدر ہاتھ اٹھاتے) حتی کہ آپ کے بغلوں کی سفیدی نظر آتی۔ اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ دعائے استقاء کے سوا دعا میں ہاتھ نہیں اٹھانا چاہئے۔ امام نووی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں اس حدیث سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم استقاء کے سوا ہاتھ نہیں اٹھاتے۔

وليس الامر كذالك بل قد ثبت رفع يديه ﷺ في مواطن

غیر الاستسقاء وھی اکثر من ان تحصر۔

معاملہ اس طرح نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استسقاء کے سوا بے شمار مقامات پر ہاتھ اٹھانا ثابت ہے۔آخر میں لکھتے ہیں

وقد رآہ غیرہ رفع فیقدم المثبتون فی مواضع کثیرہ وھم جماعات علی واحد (شرح صحیح مسلم صفحہ ۲۹۳' ج ۱)

اور دوسروں نے آپ کو ہاتھ اٹھاتے دیکھا ہے لہذا بے شمار مقامات پر ثابت کرنے والے جبکہ وہ بہت سے افراد ہیں۔ایک فرد پر مقدم ٹھہرائے جائیں گے۔اس طرح بقول امام نووی بے شمار مقامات پر آپ سے ہاتھ اٹھانا ثابت ہے۔وہ اپنی کتاب المجموع شرح المھذب میں صفۃ الصلاۃ کے تحت آخر میں فی استحباب رفع الیدین فی الدعا کے تحت بہت سی احادیث بیان کرتے ہیں۔آخر میں لکھتے ہیں:

والمقصود ان یعلم ان من ادّعیٰ حصر المواضع التی وردت الاحادیث بالرفع فیھا فھو غلطا فاحشا (صفحہ ۵۰تا۵۱' ج ۳)

مقصود صرف اس قدر بتانا ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے آپ نے چند گنتی کے مقامات پر ہاتھ اٹھا کر دعا کی وہ انتہائی فحش غلطی کا ارتکاب کرتا ہے۔حضرت انس کی اپنی روایت ہے:

لقد رایت رسول اللہ ﷺ کلما صلی الغداۃ رفع یدیہ یدعو علیھم۔

امام نووی فرماتے ہیں رواہ البیھقی باسناد صحیح حسن۔امام بیہقی نے صحیح حسن سند سے بیان کیا ہے شرح المھذب (صفحہ ۵۰۸' ج ۳) اور یہاں کلما کا لفظ عادت ہوئے پر دلالت کرتا ہے۔امام بخاری نے صحیح بخاری میں باب قائم کیا ہے۔باب رفع الیدین فی الدعاء صحیح البخاری۔(صفحہ ۱۱۰۲)اس کے تحت لکھتے ہیں:

وقال ابو موسیٰ دعا النبی ﷺ ثم رفع یدیہ ورایت بیاض ابطیہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی۔اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ آپ استسقاء کے علاوہ کہیں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے اپنی معلومات کی حد تک ہے۔حقیقت اور نفس الامر کے مطابق نہیں ہے۔ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رفع النبی ﷺ یدیہ وقال اللھم انی ابرأالیک مما صنع خالد۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا اے اللہ میں خالد کے کام اور حرکت سے بیزاری و برات کا اظہار کرتا ہوں۔پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بھی دعا میں ہاتھ اٹھانے کی دلیل کے طور پر بیان کیا ہے۔اور صحیح مسلم دارالسلام (صفحہ ۱۱۰۰) پر حضرت ابوموسیٰ کی طویل روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ابو عامر رضی اللہ عنہ کیلئے استغفار کیلئے درخواست پیش کی تو آپ نے پانی منگوا کر وضو کیا پھر اپنے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اے اللہ اپنے بندے ابو عامر کو بخش دے۔حتیٰ کہ میں نے رایت بیاض ابطیہ آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی۔اور آپ نے پھر یہ دعا فرمائی اے اللہ قیامت کے دن اپنی بہت سی مخلوق یا لوگوں پر اسے بلند فرما نا میں نے عرض کیا حضور میرے لئے بھی بخشش طلب کیجئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ عبداللہ بن قیس کے گناہ معاف فرما دے اور قیامت کے دن اسے شریفانہ جگہ یا ٹھکانہ عنایت فرمانا۔لہٰذا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کی اس تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ اس مبالغہ اور بلندی کے ساتھ صرف استسقاء میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔اور امام بخاری کے ترجمۃ الباب سے یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ اس بات کو صحیح نہیں سمجھتے کہ جس مقام پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھائے ہیں صرف اسی مقام پر ہی ہاتھ اٹھانا سنت اور ادب اور اسوۂ رسول ہے اور جس جگہ آپ نے ہاتھ نہیں اٹھائے وہاں ہاتھ نہ اٹھانا ہی سنت ہے۔اگر ان کا یہ نظریہ اور موقف ہوتا تو امام بخاری دعا کیلئے بلا قید و تخصیص دعا کیلئے ہاتھ اٹھانے کا باب نہ باندھتے۔اللہ تعالیٰ دعا نہ کرنے والے سے ناراض ہوتا ہے اور مانگنے کیلئے اس نے کسی وقت یا مقام کی تخصیص و تقیید نہیں کی ہے۔صحیح سنن الترمذی میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انہ من لم یسئل اللہ یغضب علیہ

واقعہ یہ ہے جو اللہ سے نہ مانگے وہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔ کسی شاعر نے اس کو یوں بیان کیا ہے

رضائے رحمان ہے پیہم سوال میں
رضائے انسان ہے عدم سوال میں

اور ہم حضرت ابن عباس سے سوال اور اور درخواست کرنے کا ادب ہاتھ اٹھانا بیان کر چکے ہیں بلکہ ایک اور حدیث جس کو سنن ترمذی میں باب ماجاء فی رفع الایدی عند الدعاء صفحہ۲۷۷) دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا کے تحت بیان کیا گیا ہے اور اسے صحیح غریب کہا گیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کیلئے ہاتھ اٹھاتے تو ان کو چہرے پر ملے بغیر نیچے نہ کرتے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اسے بلوغ المرام میں بات الذکر والدعا میں نقل کر کے فرمایا ہے: **فلہ شواھد و مجموعھا یقضی بانہ حدیث حسن** اپنے شواہد کی بنا پر یہ حدیث حسن ہے اور علامہ صنعانی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

وفیہ دلیل علی مشروعیۃ مسح الوجہ بالیدین بعد الفراغ من الدعاء

اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ دعا کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنا مشروع ہے۔ سبل السلام ج۴ صفحہ۳۳۹ جس کا مطلب یہ ہے کہ امام صنعانی بھی اس حدیث کو قابل استدلال تصور کرتے ہیں۔ اس سے دعا کیلئے ہاتھ اٹھانا اور چہرہ پر پھیرنا ثابت ہوتا ہے۔ اور مل کر دعا کرنا قبولیت کا زیادہ امکان رکھتا ہے اور ہم پیچھے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کر آئے ہیں کہ اگر لوگ ہاتھ اٹھا کر اللہ کے حضور درخواست پیش کریں تو وہ لازمی طور پر ان کی درخواست کو قبول کرتا ہے۔ اسی بناء پر آپ نے عیدین میں جبکہ لوگوں کا اجتماع سب نمازوں سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ آپ نے خطبہ کے اجتماع اور دعا میں شرکت کیلئے حائضہ عورتوں کو بھی حاضر ہونے کا حکم دیا جبکہ انہیں نماز گاہ سے ہٹ کر بیٹھنے کا حکم بھی دیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

یشھدن الخیر ودعوۃ المسلمین

اس کے تحت امام نووی لکھتے ہیں

فیہ استحباب حضور مجامع الخیر و دعاء المسلمین (صحیح مسلم جلد۱ صفحہ۲۹۱ ج۱)

اس سے خیر اور مسلمانوں کی دعا کے اجتماع میں شرکت کا استحباب ثابت ہے۔ ظاہر ہے مسلمانوں کا اجتماع درس و دروس، وعظ و تبلیغ اور فرض نمازوں کے اوقات میں ہی ہوتا ہے۔ اگر ان مواقع پر دعا نہیں ہوگی۔ تو پھر اس کیلئے کہاں اجتماع کیا جائے۔ اس طرح احکام و مسائل مؤلفہ حافظ عبدالمنان صفحہ۲۱۳ پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **ما اجتمع ثلاثۃ بدعوۃ قط الا کان حقا علی اللہ ان لا یرد ایدھم صفرا** سو جہاں پر تین دعا کیلئے جمع ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم ٹھہرایا ہے کہ وہ ان کے ہاتھ خالی نہیں لوٹائے گا۔

اس حدیث میں کسی وقت کی تعیین اور تحدید نہیں ہے کسی وقت بھی مل کر دعا کی جا سکتی ہے۔ اس لئے یہ اعتراض بے جا ہے کہ اس میں فرض نمازوں کے بعد کی تعیین اور تخصیص نہیں ہے۔ کیونکہ ہم کب تخصیص کرتے ہیں کہ دعا صرف فرض نمازوں کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ ہمارا موقف تو یہی ہے جب حدیث میں کسی وقت کی تعیین اور تحدید نہیں تو ہمیں بھی اپنی طرف سے یہ پابندی عائد نہیں کرنی چاہئے کہ یہ فرض نمازوں کے سوا، فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا نہیں کرنی چاہئے۔

فرض نماز کے بعد ہاتھ نہ اٹھانے کیلئے

اس بات کو بڑے زور و شور اور فخر و تعلّی سے بیان کیا جاتا ہے کہ بعض اوقات اور مخصوص مقامات کی دعائیں مثلاً نماز سے فراغت کے بعد کی دعائیں، مسجد میں داخل اور خارج ہونے کی دعا، بیت الخلاء میں داخل اور خارج ہوئے کی دعا، سونے اور جاگنے کے وقت کی دعا ان میں ہاتھ کیوں نہیں اٹھاتے، آخر یہ بھی تو دعائیں ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دعائیں ضروری ہیں ان کے دعاء کہلانے میں کوئی شبہ نہیں ہے لیکن دعا کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) دعائے سوال (۲) اوراد و وظائف کی صورت میں دعا۔ دعائے سوال میں ہاتھ اٹھانے کا حکم ہے اور اس میں آپ نے ہاتھ اٹھائے ہیں جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔ وہ دعائیں جو اوراد و وظائف کی صورت میں ہیں۔ ان میں سے اکثر ایسی ہیں ان کی تعیین اور تحدید ہو چکی ہے۔ ان میں ہم تبدیلی نہیں کر سکتے اور نہ ہی ان کا ترجمہ کسی بھی زبان میں ان کی جگہ پڑھ سکتے ہیں۔ مسجد میں داخل اور خارج ہوئے کی دعا کو ایک دوسری

جگہ یا ان کا ترجمہ نہیں پڑھا جا سکتا' اس طرح بیت الخلاء میں داخل اور خارج ہونے کی دعا میں تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔ اس کی جگہ کوئی اور دعا بھی نہیں پڑھی جا سکتی۔ دعائے سوال میں کوئی پابندی نہیں آپ اپنی ضرورت کی کوئی بھی دعا کسی بھی زبان میں کر سکتے ہیں۔ کہ ان میں کوئی ترتیب بھی نہیں ہے۔ کہ فلاں دعا پہلے ہو کہ فلاں دعا بعد میں ہو اور عربی ہی میں ہو۔ اس لئے آج تک کسی بھی مسلمان نے ان اورادو وظائف کے وقت ہاتھ نہیں اٹھائے اور نہ کسی نے کبھی اس پر اعتراض کیا ہے۔ اس لئے یہ ایک اجتماعی اور اتفاقی مسئلہ ہے اور اصول فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ اجماع نے عام کی تخصیص ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ ہمارے شیخ محترم حافظ گوندلوی رحمہ اللہ نے بغیۃ الفحول شرح مختصر الاصول صفحہ ۲۰۸' پر تصریح فرمائی ہے۔ لیکن دعائے سوال کیلئے آپ کا قول حکم اور فعلی عمل ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا ثابت ہے اور اس کیلئے مجموع شرح المہذب میں رفع الیدین والی دعاؤں کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔ جن کا حوالہ ہم پیچھے نقل کر چکے ہیں اور ان مقامات پر کسی صحابی اور تابعی یا امام سے ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں۔ احادیث سے ثابت ہونا تو دور کی بات ہے اس لئے یہ قیاس مع الفارق ہے جس کی کسی اہل علم سے تائید و توثیق کی توقع نہیں ہو سکتی۔ اس طرح نماز جنازہ پڑھنے کے بعد قبر پر دعا کرنے کے علاوہ کسی جگہ آپ سے اور اور خیر القرون یا ائمہ اربعہ سے ثابت نہیں۔ اس لئے ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔ وہ دعا ہاتھ اٹھا کر کی جائے یا بلا ہاتھ اٹھائے' لیکن فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھانے کو روایت کے عموم سے کس طرح خارج کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کیلئے تو بعض صحیح اور بہت سی ضعیف روایات موجود ہیں۔ اس وقت ہاتھ نہ اٹھانے کی تو کوئی مرفوع' صریح' ضعیف روایات بھی موجود نہیں ہے اور اس وقت ہاتھ نہ اٹھانے پر اجماع بھی نہیں ہے بلکہ بہت سے محترم علماء نے جو بدعت کے شدید مخالف ہیں۔ مثلاً پاکستان میں راشدی خاندان انہوں نے بڑے زور شور سے ادائے فرض کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کو ثابت کیا ہے۔ آپ ان حضرات سے اختلاف تو کر سکتے ہیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہر شخص سے اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔ لیکن ان کے ورع وتقوی اور علم وفضل سے انکار ممکن نہیں ہے۔

اپنے طور پر تو آپ حضرات دونوں قعدوں کیلئے درود کو عموم سے ثابت کرنے میں کوئی حجاب محسوس نہیں کرتے اور ہم خصوصی دلیل کے ساتھ بہت سی عام روایات سے استدلال کریں تو اس پر غم وغصہ اور غیظ وغضب کا اظہار کرتے ہیں کیا یہ قسمۃ ضیزیٰ بے ڈھنگی چال اور غیر منصفانہ تقسیم نہیں ہے۔

فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کیلئے بہت سی ضعیف احادیث موجود ہیں اور بعض صحیح بھی اور دعائے استسقاء پر قیاس بھی اس کا تقاضا کرتا ہے اور بہت سے اس علم کا اس پر عمل بھی ہے۔ یہ بات کس صاحب علم سے مخفی نہیں ہے کہ اگر کسی روایت کا راوی مہتم بالکذب نہ ہو یعنی اس پر جھوٹ بولنے کا الزام نہ ہو یا وہ روایت صحیح روایات کے مخالف نہ ہو یعنی شاذ نہ ہو راوی کا ضعف، خفیف الضبط یعنی حافظہ کی کمزوری کی ضعیف حدیث الضبط (حافظ کی کمزوری) بنا پر ہو یا مجہول ہونے کی بنا پر اور اس کی متعدد ضعیف روایات سے تائید ہوتی ہو اور اسی درجہ کے شواہد موجود ہوں تو وہ روایت حسن لغیرہ ہو جاتی ہے جیسا کہ حکیم الامت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

وكذالك الحديث يرويه قاصر الضبط غير متهم بالكذب او مجهول الحال المختار انه يقبل ان اقترن بقرينة موافقة القياس او عمل اكثراعلى العلم(حجة الله ص۱۴۰،) اس طرح حدیث جسے کم ضبط والا راوی بیان کرتا ہے جس پر جھوٹ بولنے کا الزام نہیں ہے یا وہ مجہول الحال ہے، مختار قول یہ ہے وہ روایت اگر قیاس کے .... یا اکثر اہل علم کا اس پر عمل ہے تو وہ قبول کر لی جائے گی۔

نہ اس کیلئے عملی مثال یوں دی جاتی ہے کہ کنکر کنکر مل کر پہاڑ' قطرہ قطرہ مل کر دریا' ذرہ ذرہ مل کر ٹیلہ بن جاتا ہے اور تنکہ تنکہ مل کر ایک جھاڑو بن جاتا ہے۔ تو یہاں دعاء کے مسئلہ میں متعدد اسانید سے مروی ضعیف احادیث جسے حسن لغیرہ نہیں بن سکتیں۔ جس کی تائید میں بے شمار عام احادیث اور ایک دو صحیح احادیث موجود ہیں۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ اگر ہم اپنی بات کو ثابت کرنے کی ٹھان لیں تو متفق علیہ روایت کو کہہ دیتے ہیں **لا اصل له** ایک جلیل القدر اور واجب الاحترام امام حضرات عمران بن حصین کی متفق علیہ روایت کے بارے میں کہا ہے

لا اصل لہ اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ دیکھئے فتح الباری ج ۵ صفحہ ۳۲۰۔

اور قصی یمین و شاہد کی حضرت ابن عباس کی روایت صحیح مسلم میں موجود ہے اور امام مالک شافعی یعنی جمہور اسی کا قائل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ اور جابر کی صحیح روایات اس کی مؤید ہیں۔ تفصیل کیلئے دیکھئے فتح الباری صفحہ ۳۴۷ ج ۵۔ لیکن امام بخاری ترجمۃ الباب میں امام بن شبرمہ کا قول پیش کرتے ہوئے احناف کے موقف کی تائی دکرتے ہیں کہ یہ حدیث قرآن کے مخالف ہے دیکھئے فتح الباری جلد ۵، صفحہ ۳۴۵۔ دوسری طرف عمومات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسی روایت کی تصحیح کرتے نیز جس میں دو راوی ضعیف ہیں۔

دیکھئے: **کتاب الرقاق باب التواضع حدیث من عاد لی ولیا فقد آذنته بالحرب**

اس کا ایک راوی خالد بن مخلد ہے جس کے بارہ میں امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں **لہ مناکیر۔** امام ابو حاتم فرماتے ہیں **لا یحتج بہ** تفصیل کیلئے دیکھئے۔ (فتح الباری جلد نمبر ۱۱ صفحہ ۳۱۵)

دوسرا راوی شریک بن عبداللہ اس پر بھی جرح ہے۔ بعض ائمہ اس کو ثقہ قرار دیتے ہیں اور بعض ضعیف قرار دیتے ہیں۔ تفصیل کیلئے دیکھئے۔ (فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۵۹۲، ۵۹۳) اور فتح الباری جلد ۱۱ صفحہ ۳۱۵ پر لکھتے ہیں:

ومع ذالک شریک شیخ شیخ خالد فیہ مقال ایضا

خالد پر جرح کے ساتھ اس کے استاد کے استاد شریک پر بھی جرح ہے۔ ہاں حافظ ابن حجر نے اس روایت کی تائید کیلئے بہت سی ضعیف احادیث پیش کی ہیں۔ جن کی بنیاد پر لکھا ہے:

یدل مجموعھا علی ان لہ اصلا۔

ان سے مجموعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس حدیث کی کچھ بنیاد ہے۔ (جلد ۱۱ صفحہ ۳۱۵) علامہ البانی رحمہ اللہ کے سلسلہ احادیث صحیحہ اور سلسلہ احادیث ضعیفہ کو بنیاد بنا کر جو یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ اسماء الرجال کی کتابوں کو سامنے رکھ کر راویوں پر جرح کر کے احادیث کو ضعیف قرار دیا جائے اور امام ترمذی جیسے جلیل القدر محدث کی تصحیح و تحسین کو نظر انداز کر دیا جائے کیونکہ ایک متاخر امام نے کہہ دیا ہے۔ امام ترمذی احادیث کی تصحیح اور تحسین میں سہل انگاری سے کام لیتے ہیں۔ ہم اس طریقہ کو درست نہیں سمجھتے۔ کیونکہ امام ترمذی کے بارے میں ایک متاخر کے قول پر اعتماد کرنا صحیح نہیں ہے۔ اگر اس دروازے کو بند نہ کیا گیا تو پھر صحیحین کی احادیث بھی محفوظ نہیں رہیں گی۔ اس لئے ہم ائمہ متقدمین کی تصحیح و تحسین یا تضعیف ہی کو صحیح سمجھتے ہیں۔ ہم احادیث کو بازیچہ اطفال بنانے کے قائل نہیں، کہ ہر ایک ان کو تختہ مشق بنانا شروع کر دے اور اپنے نظریات کی بنا پر ان میں کھینچا تانی شروع کر دے۔ اس سے احادیث پر اعتماد اٹھ جائے گا۔ مثلاً بعض حضرت آئمہ احناف کی طرح نماز قصر سفر میں لازم اور ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک سفر میں پوری نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحیح حدیث اس کے منافی ہے۔ وہ بیان فرماتی ہیں میں نے ایک عمرہ سے سفر سے واپسی پر عرض کیا اے اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ نے نماز قصر پڑھی میں نے پوری پڑھی۔ آپ نے روزے افطار کیے، میں نے روزے رکھے، آپ نے فرمایا:

احسنت یا عائشہ ''اے عائشہ تو نے بہت اچھا کیا''۔ (سنن بیہقی جلد ۳ صفحہ ۱۴۲، سنن دارقطنی صفحہ ۱۸۸ جلد ۱، سنن کبریٰ نسائی صفحہ ۵۸۸ جلد ۱) یہ حدیث صحیح ہے۔ لیکن چونکہ بعض جلیل القدر اور واجب الاحترام حضرات کے نظریہ کے خلاف ہے۔ اس لئے انہوں نے ایک راوی کو مجہول مان کر اس کو ضعیف قرار دے دیا۔ دیکھئے محلی ابن حزم (جلد ۴ صفحہ ۲۶۹) اور حافظ ابن قیم فرماتے ہیں:

قال شیخنا ابن تیمیہ ھذا باطل ما کانت ام المؤمنین لتخالف رسول اللہ وجمیع اصحابہ

(زاد المعاد صفحہ ۴۴۷ جلد ۴)

ام المومنین کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ نماز پوری پڑھتی تھیں، باطل ہے۔ کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور سب صحابہ کرام کی مخالفت نہیں کر سکتیں اور حافظ ابن قیم فرماتے ہیں وہ آپ کی وفات کے بعد پوری نماز پڑھنے لگیں تھیں۔ (صفحہ ۴۴۸) امام ابن حزم نے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کا راوی العلاء بن زھیر الازدی مجہول ہے۔ حالانکہ العلاء بن زھیر الازدی معروف راوی اور ثقہ ہے۔ اس سے ابو نعیم فضل بن دکین، قاسم بن الحکم، محمد بن یوسف الفریابی اور وکیع بن جراح وغیرہم روایت نقل کرتے ہیں۔ (تہذیب الکمال جلد ۲۲ صفحہ ۴۹۶) جس راوی سے ابو نعیم اور وکیع بن جراح جیسے نامور اور

جلیل القدر محدث روایت بیان کریں وہ مجہول کیسے ہوسکتا ہے۔ لہٰذا ابن حزم کا یہ کہنا کہ یہ مجہول ہے ان کی لاعلمی کا شاخسانہ ہے، جو قابل اعتبار نہیں۔ جس طرح امام ابن حزم کا ترمذی کو مجہول کہنا قابل توجہ نہیں اس طرح حافظ ابن تیمیہ کا اس کو باطل قرار دینا بلا دلیل ہے۔ جو قابل اعتماد نہیں۔ پھر کیا یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی زندگی میں تو نماز قصر پڑھتی رہیں اور بعد میں پوری نماز شروع کردی۔ یہ بات بھی بلا دلیل کہہ دی گئی ہے 'تفریق کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ یہ بات ذہن میں رہے ہم ان ائمہ کی نیت پر حملہ نہیں کرتے نہ ہی بحمد اللہ ان کے بارے میں بدگمانی یا بدظنی کا شکار ہیں۔ ہم ان حضرات کے خوشہ چیں ہیں اور ان کے ورع وتقویٰ اور علم وفضل کے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے معترف ہیں اور ان کو محترم ومکرم سمجھتے ہیں لیکن انسان کی یہ طبعی کمزوری ہے کہ وہ شعوری طور پر جب ایک بات کو صحیح اور درست سمجھتا ہے تو غیر شعوری طور پر اس کے مقابل بات کو غیر صحیح قرار دینے کی کوشش میں حد اعتدال سے نکل جاتا ہے اور اس کی ایسی تاویل کرتا ہے جسے پڑھ کر غیر جانبدار آدمی حیران و ششدر رہ جاتا ہے یا صحیح کو غیر صحیح اور غیر صحیح کو صحیح تک قرار دے بیٹھتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جو نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہا ہے انہوں نے فراغت کے بعد اسے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا فرماتے تھے۔ یہ روایت امام طبرانی نے اپنی المعجم الکبیر میں بیان کی ہے۔ امام ہیثمی اور امام سیوطی نے اس کے رجال کی توثیق کی ہے۔ لیکن چونکہ یہ روایت ان حضرات کے نزدیک جو فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے قائل نہیں ہیں۔ ان کے موقف کے مطابق نہیں ہے۔ اس لئے کہتے ہیں یہ اس حدیث کے مخالف ہے جسمیں یہ آتا ہے کہ آپ نماز کے اندر ہاتھ اٹھا کر قنوت نازلہ فرماتے تھے۔ نیز کہتے ہیں علامہ زیلعی لکھتے ہیں:

صحة الاسناد يتوقف على ثقة الرجال ولو فرض ثقة الرجال لم يلزم منه صحة الحديث (نصب الرایہ صفحہ ۳۴۷ ج ۱)

سند کا صحیح ہونا راویوں کی ثقاہت پر موقوف ہے اور راوی اگر ثقہ بھی ہوں تو اس سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا اور علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:

لا يلزم من كون رجاله ثقاتا ان يكون صحيحا (تلخیص الحبیر صفحہ ۱۹ ج ۱)

راویوں کے ثقہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث صحیح ہے اور پھر اس کے دو راویوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے محترم فاضل دوست مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے اپنے دو مضامین (نمبر ۱) سلیمان بن حسن العطار مجہول نہیں ثقہ راوی ہے (نمبر ۲) سلیمان بن حسن العطار کی حدیث ضعیف نہیں، حسن ہے۔ پہلا مضمون الاعتصام کے ۱۵ جون ۲۰۰۱ء اور دوسرا ۱۲ اکتوبر ۲۰۰۱ء کے شمارہ میں شائع ہوا۔ جس میں بڑی تفصیل اور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ سلیمان بن حسن العطار امام طبرانی، امام اسماعیلی اور امام ابوعلی نیسابوری کے استاد ہیں اور اب انہوں نے ابن حبان کو بھی ان کا استاد قرار دیا ہے اس کی روایت مداءدالظمآن ج ۱ صفحہ ۴۴۲ موجود ہے۔ اور ان مضامین میں ڈاکٹر محمد سعید بن حسن اور فاضل دوست زبیر علی زئی کے شکوک و شبہات کا مفصل جواب دیا ہے۔ اس لئے اگر ان چار جلیل القدر آئمہ کا استاد بھی مجہول ہے تو معلوم نہیں راوی جہالت سے کس طرح نکلتا ہے۔ جبکہ امام اسماعیلی نے اسے المعدّل کے لفظ سے موسوم کیا ہے اور علامہ سمعانی نے لکھا ہے المعدّل وہ ہے جس کی تعدیل اور تزکیہ کیا جاچکا ہو اور اس کی شہادت قبول ہو۔ (الانساب جلد ۵ صفحہ ۳۴۰)

مجمع البحرین کے محقق عبدالقدوس نے لکھا ہے **ثقة لاباس به** (صفحہ ۲۹۷، جلد ۶) اس طرح دوسرا راوی فضیل بن سلیمان النمیری ہے۔ جس کے بارے میں ثابت کیا ہے کہ اس کی روایت حسن ہے۔ بلکہ علامہ البانی سے نقل کیا ہے کہ فضیل کے حافظہ میں ضعف ہے لیکن اس کی روایت **فهو اسناد حسن لغيره** ہے۔ **ويحتمل التحسين لذاته فيكون صحيحا لغيره (سلسلة الصحيحة** صفحہ ۳۵۸ جلد ۵) یہ سند حسن لغیرہ ہے اور حسن لذاتہ ہونے کا احتمال رکھتی ہے۔ اس لئے صحیح لغیرہ ہے۔ یہ حدیث صاف اور قابل استدلال نص ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اس لئے اس کے جائز اور مسنون ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود سینہ زوری سے کام لیتے ہوئے اس کو بدعت قرار دینا

ناپسندیدہ طرزِ عمل ہے۔ اور یہ کہنا ہے کہ صرف آپ ہاتھ اٹھاتے تھے صحابہ کرام پیچھے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے درست نہیں ہے کیونکہ خطبہ جمعہ میں جب آپ نے ہاتھ اٹھائے ہیں تو تمام صحابہ نے بھی پیچھے ہاتھ اٹھائے تھے۔ حالانکہ عام حدیث میں اس کا تذکرہ نہیں ہے۔ ایک طرف یہ دعویٰ کرنا کہ انہی مقامات پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا چاہئے۔ جہاں جہاں آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی اور پھر جب ایسی حدیث پیش کردی جائے جس سے نماز کے بعد ہاتھ اٹھانا ثابت ہوتا ہے تو اس کا حیلوں بہانوں سے انکار کر دیا جائے۔ حالانکہ ہر کام کیلئے آپ کے فعل کا ہونا لازم نہیں۔ جب قولی احادیث موجود ہیں جس میں کسی وقت کی تخصیص نہیں ہے تو بلا دلیل ان کو فرضی نمازوں کے اوقات کے سوا ساتھ خاص کرنا درست نہیں ہے اور یہاں تو نماز کے بعد ہاتھ اٹھانے کے صراحت موجود ہے اور قرینہ یہی ہے کہ فرضی نماز کے بعد ہے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کس وقت دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدھی رات اور فرض نمازوں کے بعد۔ علامہ البانی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ (سنن ترمذی صفحہ ۱۶۸ جلد ۳ تحقیق مولانا محمد یحییٰ گوندلوی)

ایک طرف تو ان حضرات کی صورتحال یہ ہے کہ بلا دلیل فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کو بدعت قرار دینے پر مصر ہیں اور دوسری طرف یہ صورتحال ہے کہ **اذا جاء احدکم المسجد** کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے اوقات ممنوعہ میں بھی تحیۃ المسجد کو لازم قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ مسئلہ خود مختلف فیہ ہے کہ تحیۃ المسجد ضروری ہے یا نہیں۔ جمہور ائمہ اس کو لازم نہیں سمجھتے اور یہی موقف درست ہے۔ یہاں تو اذا اتنا مضبوط اور قوی ہے کہ صحیح احادیث میں وارد اوقات ممنوعہ سے بھی اس کی تخصیص اور تحدید نہیں ہو سکتی۔ لیکن دعا میں وارد اذا کہ جب کوئی دعا کرنے والا ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے خالی ہاتھ لوٹانے میں شرم محسوس ہوتی ہے۔ میں یہ اذا اتنا کمزور ہے کہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھانے کی صریح روایت بھی اس کو قوت و طاقت نہیں بخشتی اور صحیح حدیث کے باوجود فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بدعت ٹھہرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھنے کی توفیق عنایت فرمائے اور افراط و تفریط سے ہٹ کر اعتدلال اور میانہ روی کی توفیق دے۔ ہر اس کام کو بدعت بنانے سے اجتناب برتنے کی توفیق بخشے جو قابل استدلال روایت سے ثابت ہے۔ جب ایک مسئلہ میں بڑے بڑے جلیل القدر اہل علم کا باہمی اختلاف ہے تو اس میں شدت اور انتہاء پسندی اختیار کرنا اور اپنے آپ کو عقل کل کا مالک سمجھ لینا کوئی دانشمندی نہیں ہے۔ ہر فریق کو اپنے اپنے موقف پر عمل کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس لئے ایک دوسرے کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا درست نہیں۔

مجلة ترجمان الحدیث
میں اشتہار دیکر اپنی تجارت کو فروغ دیں۔
معقول دام: بہترین سرکولیشن
برائے رابطہ: دفتر ترجمان الحدیث،
جامعہ سلفیہ فیصل آباد 041-780374

بقیہ: معرفت الٰہی کیسے؟

قدرت زلزلوں، سیلابوں، آندھیوں اور طوفانوں کو بھیج کر اسے جھنجوڑتی ہے۔ اور یہ دعوت دیتی ہے کہ وہ اس کی آیات پر غور کریں اس خالق یکتا کی عظمت و قدرت کے سامنے جھک جائیں۔ جو لوگ ایسی نشانیوں کو عبرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ نور ایمان حاصل کرتے ہیں اور وہ کبھی مخلوقات کائنات میں سے کسی ایک مخلوق کو مقرب ٹھہرا کر اس کو اللہ تعالیٰ کا شریک ہرگز ہرگز نہیں بناتے اور نہ اس کو وہ اس لائق سمجھتے ہیں کہ کسی حوالے سے ان کی عبادت کی جائے۔ ایسے بندگان الٰہی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عظیم بارگاہ میں جھکنا اور اس سے مانگنا، ہر طرح کی عبادت خواہ وہ فرضی ہو یا نفلی اس کی رضا و خوشنودی کی خاطر کرکے شکر کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ ایسے موقعوں پر بھی خواب غفلت میں پڑے رہتے ہیں۔ ان کیلئے قیامت کے روز بڑے دردناک اور رسوا کرنے والے عذاب کی وعید آئی ہے۔ عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے انسان کی زندگی کا مقصد بیان فرماتے ہوئے کیا خوب شعر کہا ہے:

زندگی آمد برائے بندگی
بے عبادت زندگی شرمندگی

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد بھی قابل غور ہے کہ اللہ عزوجل کے ذکر میں مشغول رہنا بھی بہت اچھا ہے۔ لیکن خدا کی نشانیوں اور نعمتوں میں غور و فکر کرنا افضل عبادت ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مقصد حیات کو سمجھنے کی توفیق اور عمل صالحہ سرانجام دینے کی ہمت دے آمین۔